اقبال اور فیض کی فکر کے رجائی پہلو

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

Dr. Rabia Sarfraz

Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

There is light after darkness, happiness after sadness and success after failure....this is an optimistic point of view about the life which brings energy and strength to every person who struggles to achieve the goal.Iqbal and Faiz are two great poets having optimism as a prominent feature of their poetry.This article is all about the positive aspect of their thoughts and creativity which concludes that brighter rays always become a source of strength in hard and difficult moments.Many examples from the poetry of the two poets are also presented in the article.

زندگی کے مصائب اور مشکلات کے باوجود صبر اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور رکاوٹوں کے باوجود مقصد کے حصول کے لیے نیک نیتی سے آگے بڑھتے جانا رجائیت ہے۔مشکلات کے بعد آسانیوں کا تصور انسان کو قنوطیت اور لاچارگی سے بچاتا ہے۔اقبال اور فیض دونوں کی شاعری کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ انھوں نے شاعری کی روایتی دیوی کی پوجا کرنے کی بجائے اسے اپنے انفرادی احساسات اور جذبات کے پیکر میں ڈھالا ہے۔زندگی کے دیگر بے شمار معرکوں کی طرح شاعری کو رجائیت اور یقین کا ایک ایسا معرکہ بنایا ہے جس نے اپنے دور کے بہت سے سنگین مسائل سے نپٹنے کے لیے تاریکی میں اجالا اور ناامیدی میں امید کا راستہ دکھایا ہے۔ان کی شاعری ان کے افکار کے ایسے فنی روپ کی صورت میں سامنے آئی ہے جس نے افراد خصوصاً نوجوانوں کو جرأت اور عزم و ہمت کا تقلیدی روپ عطا کیا ہے۔

ایسے تمام تخلیقی تجربات جو اشیا کی خارجی سطح کو چھوئیں اور انسان کو مایوسی کا شکار کریں اقبال کے نزدیک نامکمل اور داھورے ہیں جبکہ ایسا تخلیقی تجربہ جو باطن کی گہرائیوں تک اثر انداز ہو اور مثبت اندازِ فکر کو فروغ دے اصلی اور حقیقی وجود کا حامل ہے

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی(۱)

ژرف نگاہی اور ادراکِ حقیقت کا مرحلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔شاعری ایک یا دو لمحوں کی چنگاری نہیں بلکہ اسے ایسی تپش، گرمی اور حرارت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو انسان کے باطن میں دوامی سوز کا سبب بنے۔ایسا سوز جو نہ صرف زندگی کا احساس دلائے بلکہ رجائیت کا علم بردار بھی ہو اور انسان کو پژمردہ اور مضمحل بنانے کی بجائے فعال اور مصروفِ عمل رکھے۔

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو، وہ بادِ سحر کیا؟(۲)

زندگی ایک پیچیدہ شے ہے جس میں حسن و بدصورتی، خوبیاں اور خامیاں، امید اور نا امیدی، خوشی اور غم کے سب رنگ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔فیض کی شاعری میں بھی ہمیں جا بجا یہ تمام روپ اور مُوڈ نظر آتے ہیں۔ان کی فطرت میں مصائب سے فرار شامل نہیں ہے۔ہمارے بعض ناقدین نے فیض کو اکہرے پن اور انجماد کا شاعر کہا اور بعض نقادوں نے یہ اعلان کر دیا کہ فیض کے یہاں تہہ در تہہ نفسیاتی کیفیت نظر نہیں آتی جس کے باعث وہ اکثر جدید شعرا کی طرح Modernist شاعر نہیں بن سکے۔فیض کی شاعری پر دولخت ہونے کا الزام بھی لگایا گیا۔فیض کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے دراصل شاعری کے حوالے سے فیض کے پیش کردہ نظریات اور خیالات کو مدِّنظر رکھنا از حد ضروری ہے جن کی مدد سے ہم اس حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں گے کہ فیض نے اپنی شاعری میں ان اصولوں کو کس حد تک مدِّنظر رکھا جو وہ دیگر فن کاروں کے لیے متعین کرتے ہیں۔اس سلسلے میں ان کے فکری رجحان کا مطالعہ بھی نہایت اہم ہے کیونکہ فیض کا کہنا ہے کہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ فن کار کا شعور بھی اپنا ارتقائی سفر طے کرتا ہے۔فیض کی شاعری میں بھی محبت، دوستی اور روشنی کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے۔اداسی اور خزاں کے تصورات کے باوجود ان کی شاعری پر مایوسی اور قنوطیت کا لیبل لگانا درست نہیں۔ سحر انصاری کے بقول:

> ''فیض نے کس طرح ذاتی غموں سے گریز کر کے ایک اجتماعیت کو سارے محسوسات کا پیمانہ بنالیا، اس کا بیان خود فیض کی کئی تحریروں میں ملتا ہے۔جس قسم کی زندگی اور اس کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی رشتے فیض اور ان کی نسل کے حصے میں آئے تھے۔انھوں نے شاعری میں اپنے اظہار کے لیے ایک راستہ ڈھونڈ لیا تھا۔اقبال نے ''بچے کی دعا'' کا ایک شعر یوں ادا کیا ہے:
>
> ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا

درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

فیضؔ نے جب ''رقیب'' کے روایتی مفہوم کو تبدیل کر کے پہلی بار اسے ایک علامتی حیثیت دی اور ''رقیب'' سے خطاب کیا تو ان کے ہاں ایک مصرع یوں سامنے آیا:

عاجزی سیکھی غریبوں کی حمایت سیکھی

اس کے بعد کے مصرعے یہ ہیں:

یاس و حرمان کے ، دکھ درد کے معنی سیکھے
زیردستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا
سرد آہوں کے ، رُخِ زرد کے معنی سیکھے

فیض کا یہ مزاج روایتی رومانیت سے ہٹ جانے کے بعد بنا۔ اگرچہ ان کی شاعری میں اوّل تا آخر ایک نوع کی رومانی فضا اور عشقیہ کسک برابر قائم رہی لیکن جس آدرش کو انھوں نے اپنی ذات اور ضمیر کا حصہ بنایا' وہ اپنے اندازِ قد سے صاف پہچانا جاتا ہے۔ فیضؔ کا یہ مزاج اور آدرش الگ سے اوڑھا ہوا یا طاری کردہ نہیں تھا۔ انھوں نے گردوپیش کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ذہن اور محسوسات کی سطح پر یکساں برتنے اور اسے ایک منتخب ہیئت دینے کی کوشش کی ہے۔''(۳)

اقبال کے نزدیک فن کا فریضہ فطرت کی نقالی نہیں بلکہ تخلیق نو ہے۔ فنونِ لطیفہ کو غلامی سے آزاد ہونا چاہیے۔ اقبال جلال و جمال کے امتزاج کے قائل ہیں۔ ان کی رائے میں جو شاعری زندگی کے لیے مفید ہو' اچھی اور جائز ہے اور جو انسان کو پست ہمت اور اس کے جذباتِ عالیہ کو مردہ کرنے والی ہو۔۔۔ قابلِ مذمت ہے:

شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے
رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے؟(۴)

اقبال افراد میں اتحاد' اخوت اور یگانگت کے خواہاں ہیں۔ اہلِ وطن کا انتشار ان کے لیے نہایت تکلیف دہ امر ہے اور وہ دل نوازی کے ساتھ ساتھ حقیقت شناسی پر بھی زور دیتے ہیں۔ ایسی حقیقت شناسی جو زندگی کے اندر تازگی اور شادابی پیدا کرے۔ وہ شاعری کو ایسے معجزے سے تعبیر کرتے

ہیں جو قوموں کو مثبت انقلابات سے روشناس کرائے۔ اقبال شاعری کو آدم گری سے تعبیر کرتے ہیں جو ملت کے اندر دھڑکتے ہوئے دل کی مانند ہے اور جس کے بغیر قومی وجود مٹی کے ڈھیر کی مانند ہے۔ ایسی شاعری ہر دور میں زندہ رہتی ہے اور قوم کو جاودانی زندگی سے ہمکنار کرتی ہے۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم ہمت نے
اس آبجو سے کیے بحرِ بیکراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی خدائی کا رازداں پیدا
ہوائے دشت سے بوئے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں میرے ہم عناں پیدا(۵)

اقبال پامال روشوں پر چلنے کے قائل نہیں بلکہ مقاصد کے پیشِ نظر خود اپنے راستے کے انتخاب کے حامی ہیں اور خود اعتمادی کا یہی انداز ہر فرد میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ آدمیت کا احساس اور رموزِ حیات سے آشنائی ان کے نزدیک نہایت اہمیت کی حامل ہے اور یہ معجزہ سچے فن کے ذریعے ہی وجود میں آ سکتا ہے۔ اقبال خودی کو انسانی شخصیت کا لازمی عنصر قرار دیتے ہیں۔ عرفانِ ذات فرد کی پوشیدہ صلاحیتوں تک رسائی کے ساتھ ساتھ افراد کی رہنمائی کا ایک اہم وسیلہ بھی ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی کو رازدانِ فطرت کی ضرورت ہے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر اس کے صورت گروں کی۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی رائے میں:

> ''ہم جس دنیا میں رہتے بستے ہیں اس میں فرد اور معاشرے کے درمیان تعلقات کی نوعیت بڑی حد تک ہمارے ذاتی تصورات اور معاشرے کے رجحانات کے درمیان کسی مناسب توازن کی تلاش پر منحصر ہے۔ اقبال کے نزدیک اس صورت حال کی مناسب تشکیل میں اسلام ایک قوت کے طور پر کام کرتا ہے۔''(۶)

اقبال انسانی عظمت کے علم بردار ہیں۔ وہ باشعور افراد کو اپنے جلو میں لے کر چلنے کے ساتھ ساتھ نسلِ نو کو عشق کی بھٹی میں کندن بنانے کے خواہاں بھی ہیں۔

فیض کے نزدیک ہم زندگی کے متعلق کوئی بھی نقطۂ نگاہ قائم کرتے ہیں تو سب سے پہلے اشیا

اور حقیقتوں کی اہمیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ان میں سے بعض بہت اہم اور ضروری ہوتی ہیں اور بعض سطحی اور اتفاقی۔اسی اہمیت کو قدر کہا جاتا ہے۔کسی شے میں قدر کا وجود تاریخی وجہ سے ہے تو کسی میں اقتصادی وجہ سے اور کسی میں سیاسی وجہ سے۔ان قدروں کی اہمیت کے مطابق ہم اپنے ذہن میں ایک نظام ترتیب دیتے ہیں اور اقدار کا یہی نظام ہمارا نقطۂ نظر یا فلسفۂ زندگی کہلاتا ہے۔فیض کی شاعری وقت کی قید سے ماورا ہے اور ان کے ہاں اقبال کی طرح جمال کے ساتھ ساتھ جلال کا رنگ بھی نمایاں ہے بلکہ بعض مقامات پر جلال جمال پر غالب نظر آتا ہے:

ہر اک اولی الامر کو صدا دو
کہ اپنی فردِ عمل سنبھالے
اٹھے گا جب جمعِ سرفروشاں
پڑیں گے دارورسن کے لالے
کوئی نہ ہوگا کہ جو بچا لے
جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی
یہیں عذاب و ثواب ہوگا
یہیں سے اُٹھے گا شورِ محشر
یہیں پہ روزِ حساب ہوگا(۷)

یہ فیض کی شعری مہارت ہی ہے کہ جس کے سبب اُن کی شاعری نئی نسلوں کے ذہنوں میں گھر کرگئی ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں ان تمام موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جو ذات، سماج، ارضِ وطن، ملت اور انسانیت سے متعلق ہیں۔اپنے جاندار شعری اسلوب کی بدولت انھوں نے ایسے شعری فن پارے تخلیق کیے ہیں جن کی معنویت سماجی و تاریخی حقائق کے مطالعے کی روشنی میں اپنی اہمیت واضح کرتی ہے۔اشفاق حسین کی رائے میں:

> ''دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں مجبور و محکوم عوام کی جدوجہد کو ''فنا آمادہ'' کہہ کر فیض کی سیاسی اور انقلابی شاعری کے کینوس کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس دنیا میں صرف قید خانے، بھوک اور بغاوت ہی نہیں ہے بلکہ حسن و دلکشی کے کئی اور بھی مرقعے ہیں جن کی تمام زندگی قصیدہ خوانی کی جاسکتی ہے لیکن جب گھر میں آگ لگی ہو تو گھر کی خوبصورتی اور پائیداری کے گیت بھی نہیں گائے جاتے بلکہ آگ بجھانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔فیض کو احساس ہے کہ زندگی کی رعنائیاں

محدود نہیں ہیں۔ زندگی کے لامحدود تقاضوں اور ان کے امکانات کا بھی علم ہے۔ ان کو فطرت کی بکھری ہوئی بے پناہ حسن کی دولت کا بھی شعور ہے۔ اس کی جاوید خرامی سے ان کو انکار نہیں لیکن زندگی کی تلخیاں اور مصائب بھی تو آخر اہمیت رکھتے ہیں۔ فیض ان کی طرف کیسے نہ متوجہ ہوتے۔ فیض نے بہت سوچ سمجھ کر سیاست اور انقلاب کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ آج سیاست کے معنی بہت وسیع ہیں۔ وہ محدود معنی ہرگز نہیں جو کل تک متعین تھے۔''(۸)

فیض احمد فیضؔ شاعری اور فن کے مثبت پہلوؤں کے علم بردار ہیں وہ فن میں پاکیزگی، شائستگی اور بلند اخلاقی کے قائل ہیں اور فحش اور اخلاقیات کے معیار سے گری شاعری کے خلاف ہیں۔ بقول فیض احمد فیضؔ:

''مَیں سمجھتا ہوں کہ فن اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی اور اگر کوئی فن پاکیزہ ہے تو وہ اسلام سے متصادم نہیں ہے۔ ہمارے ہاں اچھے فن کار بھی ہیں جو کہ اسلامی تہذیب یا ہماری تہذیب کے مطابق ہیں۔ کچھ بُرے، لوچ پوچ اور لچر فن کار بھی ہیں جن کا عمل اسلام سے صریحاً متصادم ہے ------ مَیں سمجھتا ہوں جو فن پاکیزہ، شائستہ اور بلند اخلاق کی طرف ترغیب دینے والا ہے وہ اسلامی ہے۔ جو فن فحش ہے اور جس سے لوگوں کا اخلاق بگڑتا ہے وہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔''(۹)

فضا میں خزاں کے راج کے باوجود فیضؔ کی شاعری میں بہار کے امکان روشن ہیں۔ انھیں شب کی سیاہی کے ساتھ ساتھ سحر کے رنگوں کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے اور اندھیاروں اور تاریکی میں کچھ فروزاں چراغ بھی نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں اہلِ قفس کے لیے صبحِ چمن کی نوید بھی ہے اور دشت کی سیرابی کی خبر بھی۔۔۔۔

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں
اب بھی خزاں کا راج ہے لیکن کہیں کہیں
گوشے رہِ چمن میں غزلخواں ہوئے تو ہیں
ٹھہری ہوئی ہے شب کی سیاہی وہیں مگر
کچھ کچھ سحر کے رنگ پر افشاں ہوئے تو ہیں

ان میں لہو جلا ہو ہمارا کہ جان و دل
محفل میں کچھ چراغاں فروزاں ہوئے تو ہیں(۱۰)

فیض ایسے معاشرے کے خواہاں ہیں جہاں سب کو باعزت روزگار ملے‘ کوئی کسی کا دست نگر نہ ہو اور سب ایک دوسرے کی عزت و ناموس کے تحفظ کے ضامن ہوں۔ وہ ان اجارہ داریوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں جن کے بل بوتے پر طبقاتی بالادستی کا نظام قائم ہے۔ محمد علی صدیقی کے بقول:

’’فیض نے اپنی شاعری میں محبت و اخلاص کے جس چمن کی آبیاری کی ہے وہ ایک پیہم احساسِ ملال کے باعث ’زرد پتوں‘ اور ’درد کی انجمن‘ سے عبارت نظر آتا ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ بہار سے ناامید ہیں۔ ان کی شاعری میں اس قدر کلوروفل ہے کہ وہ ’زرد پتوں‘ میں زندگی کی کارفرمائی دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض حضرات نے یہ طے کر لیا ہو کہ وہ فیض کی شاعری کے اس مسیحائی رخ کی جلوہ آرائی قبول نہیں کریں گے۔ فیض محبت اور دوستی کے شاعر ہیں۔ انسانی اقدار کی بالادستی کے شاعر ہیں۔‘‘(۱۱)

فیض اظہار کی آزادی کے قائل بھی ہیں اور حق و صداقت کے امین اور علم بردار بھی۔ جب تک سچ زندہ ہے وہ اپنے خیالات کو اظہار کا جامہ پہنانے کا عزم کیے ہوئے ہیں:

بول ‘ کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول ‘ زباں اب تک تیری ہے
تیرا ستواں جسم ہے تیرا
بول کہ جاں اب تک تیری ہے
دیکھ کہ آہن گر کی دکاں میں
تند ہیں شعلے ‘ سرخ ہے آہن
کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن
بول ‘ یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی موت سے پہلے
بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول ‘ جو کچھ کہنا ہے کہہ لے!(۱۲)

یہ دونوں عظیم شعرا اردو شعرا کی اس صف میں شمار ہوتے ہیں جن کی شاعری نظریاتی اور سیاسی

مسائل کی ترجمانی کے باوجود شاعری ہی رہتی ہے کوئی تبلیغی لیکچر یا نصیحت آموز نعرہ نہیں بنتی۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں یکساں طور پر پڑھا اور سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے تہذیبی اور ثقافتی رموز کو مثبت انداز میں جدید دنیا کے مسائل کے بیان اور ان کے حل کی ترجمانی سے اس طرح ہم آہنگ کیا کہ ظاہری پیکر جدید ہونے کے باوجود بھی اس کی ساخت اور بافت میں رجائی طرزِ فکر کی جھلک دکھاتی ہے۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دورِ گراں خوابی!
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سیناؔ و فارابیؔ!
مسلماں کو مسلماں کردیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی(۱۳)

حوالہ جات

۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ئ ص: ۶۳۰

۲۔ ایضاً، ص: ۴۲۲

۳۔ سحر انصاری، فیض اور فلسطین، مشمولہ: فیض احمد فیض عکس اور جہتیں، شاہد ماہلی، دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ئ، ص: ۳۸۳

۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص: ۲۱۳

۵۔ ایضاً، ص: ۶۱۳

۶۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے علاقائی اختلافات، مشمولہ: دائرے، کراچی: نومبر دسمبر ۱۹۸۷ئ ص: ۳۸

۷۔ فیض، فیض احمد، مرے دل مرے مسافر، مشمولہ: نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبۂ کارواں، س ن، ص: ۶۱۹

۸۔ اشفاق حسین، فیض ایک جائزہ، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۷۷ئ ص: ۱۰۹

۹۔ فیض، فیض احمد، ہماری قومی ثقافت، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، فروری ۱۹۷۶ئ ص: ۴۶

۱۰۔ فیض، فیض احمد، دست صبا، مشمولہ: نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبۂ کارواں، س ن، ص: ۱۵۹

۱۱۔ محمد علی صدیقی، فیض احمد فیض شاعر یا جادوگر، مشمولہ: فیض احمد فیض عکس اور جہتیں، شاہد ماہلی، دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۵۶

۱۲۔ فیض، فیض احمد، نقش فریادی، مشمولہ: نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبۂ کارواں، س ن، ص: ۸۲

۱۳۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص: ۳۴۵